حضرت ابراھیمؑ اور رسول کریم ﷺ کی دعاؤں کا تفصیلی ذکر

اولاد کے لئے دعا کریں کہ وہ آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ رمئی ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

ان دعاؤں کا ذکر چل رہا ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے انعام یافتہ بندوں نے کیں اور جن کا ذکر بطور خاص قرآن کریم میں محفوظ فرمایا گیا ہے۔ایک دعا سورۂ انبیاء کی آیت ۱۱۳ میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے طور پر محفوظ ہے۔ قٰلَ رَبِّ احۡكُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوۡنَ (الانبیاء:۱۱۳) کہ اس نے کہا یعنی محمد رسول اللہ ﷺ نے کہا: رَبِّ احۡكُمۡ بِالۡحَقِّ کہ اے میرے رب! حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے وَرَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوۡنَ اور ہمارا رب بہت رحم کرنے والا بن مانگے دینے والا ہے۔ الۡمُسۡتَعَانُ اور ان باتوں میں ہمارا مددگار ہے عَلٰى مَا تَصِفُوۡنَ جو تم ہمارے خلاف بناتے ہو۔

اس دعا کا پس منظر اس لحاظ سے بہت دلچسپ ہے کہ اس میں پہلے زبور کی اس پیشگوئی کا ذکر ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الۡاَرۡضَ یعنی فلسطین کی زمین خدا تعالیٰ کے عبادت گزار، صالح بندوں کو عطا کی جائے گی۔ اَنَّ الۡاَرۡضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوۡنَ (الانبیاء:۱۰۶) یہ (اس پیشگوئی کے) الفاظ ہیں اس سے کچھ آیات کے بعد پھر یہ آیت آتی ہے ۔

وَ اِنۡ اَدۡرِیۡ لَعَلَّہٗ فِتۡنَۃٌ لَّکُمۡ وَ مَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ (الانبیاء:۱۱۲) یعنی محمد رسول اللہ ﷺ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ میں نہیں کہہ سکتا یا میں نہیں جانتا کہ یہ جو وعدہ ہے شاید تمہارے لئے آزمائش کا ایک ذریعہ بنے اور مَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ اور کچھ عرصے کے لئے تمہیں اس سے فائدہ پہنچے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے مطلع فرمادیا تھا کہ اگر چہ خدا تعالیٰ کے صالح عبادت گزار بندے بہر حال اس سرزمین کے وارث بنائے جائیں گے مگر وقتی طور پر اس پر غیروں کا قبضہ ہوگا کیونکہ یہ آیت بہر حال مسلمانوں سے متعلق آنحضرت ﷺ کا بیان شمار نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ وعدہ کہ جو خدا کے پاک بندوں کو اور عبادت گزار بندوں کو زمین دی جائے گی ایک مستقل وعدہ ہے اور جس قوم کو مخاطب کر کے آنحضور ﷺ یہ فرمارہے ہیں کہ وَ اِنۡ اَدۡرِیۡ لَعَلَّہٗ فِتۡنَۃٌ لَّکُمۡ اس سے کوئی مخالف گروہ مراد ہے مسلمان مراد نہیں کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ تمہارے لئے یہ کیا آزمائش لے کر آئے گی یعنی یہ زمین جس پر تم قابض ہو گئے تمہارے لئے کیا آزمائش کا موجب بنے گی۔ وَ مَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ ہاں کچھ مدت کے لئے تمہیں ضرور اس سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس کے معاً بعد یہ دعا ہے:

قٰلَ رَبِّ احۡکُمۡ بِالۡحَقِّ اے میرے رب! حق سے فیصلہ فرمادے۔ مجھے یاد ہے جب یہ Gulf خلیج کا تنازعہ چل رہا تھا تو اس وقت بھی میں نے بہت سوچ کر یہی دعا کرنے کی احباب جماعت کو تلقین کی تھی کہ کسی ایک طرف کی بجائے حق کے جیتنے کی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حق کو فتح عطا فرمائے۔ پس چونکہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی دعا کے ساتھ یہ دعا منطبق ہو جاتی ہے اور بعینہ اسی مضمون کی دعا ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس دور کے ساتھ اس دعا کا خاص تعلق ہے اور یہ فیصلے ابھی ہونے باقی ہیں، کسی ایک فریق کے جیتنے یا نہ جیتنے کی بحث نہیں ہے بلکہ اس تنازعہ کے نتیجے میں جو کچھ بھی آگے جدوجہد کا ایک سلسلہ جاری ہونے والا ہے، جو حالات بھی پیدا ہوں گے بالآخر ہماری دعا یہی ہے کہ اے خدا! حق کے ساتھ فیصلہ فرمادے اور جن لوگوں کے مقدر میں یہ سرزمین لکھی گئی ہے بالآخر ان تک پہنچے۔ چنانچہ اس کے بعد آنحضور ﷺ اپنے رب سے عرض کرتے ہیں۔ وَ رَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ کہ ہمارا رب بہت ہی رحمت کرنے والا، بے انتہاء دینے والا، بن مانگے دینے والا ہے اور جو کچھ یہ لوگ ہم پر باتیں بناتے ہیں یا تم لوگ ہم پر باتیں بناتے

ہو ان کے خلاف بھی ہمارا رب مددگار رہو گا اور مددگار رہے۔ پس اس وسیع ترمعنے میں یہ دعا کرنی چاہئے۔

اس کے بعد دوسری دعا سورۃ المومنون کی آیت ۲۷ میں ہے۔ یہ حضرت نوحؑ کی دعا ہے اس سے پہلے کی آیات میں یہ ذکر ہے کہ حضرت نوحؑ کی قوم کے سرداروں نے آپ کے متعلق طرح طرح کی باتیں بنائیں اور کہا کہ تم محض اپنی فضیلت چاہتے ہو اور خدا کا پیغام ہم تک پہنچانا محض ایک بہانہ ہے اور پھر یہ کہا کہ اگر خدا چاہتا تو اپنی طرف سے فرشتے نازل فرماتا۔ کجا یہ کہ تمہیں ہم پر پیغمبر بنا کر بھجواتا جو محض ایک انسان ہو، اس سے زیادہ تمہیں کوئی حیثیت (حاصل) نہیں اور پھر یہ بھی کہا کہ انسان ہی نہیں ایک مجنون انسان ہو۔ تمہیں تو جنون ہو چکا ہے، دیوانے ہو گئے ہو۔ پس ہم اس بدانجام کا انتظار کر رہے ہیں جو تمہیں پہنچے گا اس پر حضرت نوحؑ نے یہ دعا کی کہ۔ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ (المومنون: ۲۷) اے میرے رب! میری نصرت فرما، بِمَا كَذَّبُوْنِ بِمَا كَذَّبُوْنِ کا ایک ترجمہ یہ ہے اور یہی حضرت مصلح موعودؓ نے بھی کیا ہے کہ بسبب اس کے جو انہوں نے مجھے جھٹلا دیا اور ایک اور ترجمہ جو اس سیاق وسباق میں برمحل بیٹھتا ہے وہ یہ ہے کہ بِمَا كَذَّبُوْنِ میری جن باتوں میں یہ تکذیب کر رہے ہیں ویسی ہی مقابل کی نصرت عطا فرما یعنی جن جن باتوں میں یہ میری تکذیب کرتے ہیں ایسی نصرت فرما کہ ان سب باتوں میں یہ خود جھوٹے ثابت ہو جائیں۔ اس دعا کی قبولیت کا ذکر اگلی آیت میں ملتا ہے اور وہ انہی معنوں میں ہے جن معنوں میں میں یہ ترجمہ کر رہا ہوں۔ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا (المومنون: ۲۸) پس اس دعا کے بعد ہم نے نوحؑ پر وحی نازل فرمائی کہ ہماری آنکھوں کے سامنے، ہمارے دیکھتے میں ایک کشتی بنا اور اس طرح کشتی بنا جس طرح ہم تم پر وحی نازل فرماتے ہیں۔ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا اور جب ہمارا حکم آ گیا وَفَارَ التَّنُّوْرُ اور چشموں نے خوب جوش مارنا شروع کیا فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ تو اس وقت ہر قسم کے جاندار جو ضروری ہیں ان کے جوڑے لے لینا اور اپنے اہل کو ساتھ لے لینا سوائے اس کے جن کے خلاف ہمارا فیصلہ گزر چکا ہو۔ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارہ میں مجھے خطاب نہ کرنا یعنی میرے سامنے دعا نہ کرنا۔ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ وہ یقیناً غرق کئے جائیں گے۔

پس دراصل انہوں نے حضرت نوحؑ کو نہ صرف جھوٹا اور ریاء کار بتایا بلکہ قوم کا حضرت نوحؑ

کو جو خطاب ہے وہ اس بات پر ختم ہوتا ہے کہ ہم انتظار کر رہے ہیں اور ہماری آنکھوں کے سامنے کچھ عرصے تک تم اپنے بدانجام کو پہنچنے والے ہو۔ تو یہ تھا ان کا تکذیب کا ذریعہ اور تکذیب کا جو مدعا تھا وہ یہ تھا کہ ہمارے دیکھتے دیکھتے ہماری آنکھوں کے سامنے یہ جھوٹا ثابت ہو اور ہلاک ہو جائے۔ پس چونکہ حضرت نوحؑ نے یہ دعا کی کہ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ اے میرے خدا! میری ویسی ہی نصرت فرما جیسی یہ میری تکذیب کرتے ہیں تو بعینہٖ اس کی قبولیت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی آنکھوں کے سامنے ان کی ہلاکت کی خبر دیدی اور ایسا ہی ہوا۔

پس یہ دعائیں اگر اسی پس منظر کو پیش نظر رکھ کر کی جائیں جس پس منظر میں قرآن کریم نے ان کا ذکر فرمایا ہے تو ان کے اندر قوت بھی بہت پیدا ہو جاتی ہے اور ان کا مضمون بھی بہت وسیع ہو جاتا ہے اور حالات کے ساتھ مربوط ہو جاتا ہے۔ پس جماعت احمدیہ پر بھی جہاں جہاں ایسے حالات گزرتے ہیں یا آئندہ گزریں گے، جماعت احمدیہ کو بھی ان دعاؤں سے اسی طرح استفادہ کرنا چاہئے سورۃ المومنون کی آیت ۲۹ اور ۳۰ میں ایک اور دعا کا ذکر ہے جو اسی سلسلے میں ہے فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ (المومنون:۲۹) پس جب تو اور جو بھی تیرے ساتھ ہوگا کشتی پر سوار ہو جاؤ گے اور اطمینان کے ساتھ محفوظ ہو جاؤ گے فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ تو پھر یہ کہنا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ تمام حمد، سب تعریف، کامل تعریف محض اللہ ہی کے لئے ہے۔ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ جس خدا نے ہمیں ظالموں کی قوم سے نجات بخشی۔ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا اور پھر یہ دعا کرنا کہ اے میرے رب مجھے مبارک منزل پہ اتارنا۔ وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ (المومنون:۳۰) اور تو سب مہمان نوازوں سے اور اتارنے والوں سے بہتر مہمان نواز اور بہتر اتارنے والا ہے۔

یہ دعا ہجرت کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہے۔ اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کی اس دعا کا ذکر گزر چکا ہے جو آپ کو ہجرت کے متعلق سکھائی گئی تھی۔ یہ دعا حضرت نوحؑ کی دعا ہے کہ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا ہو۔ جہاں میں جاؤں دنیاوی اغراض سے نہ جاؤں بلکہ جو کچھ بھی مجھے ملے تیری طرف سے ملے اور برکتیں عطا ہوں۔ وہ مہاجرین جو آج مختلف ظلم کی جگہوں سے ہجرت کر رہے ہیں یا کل کریں گے یا آئندہ زمانوں میں کریں گے ان کو ہمیشہ یہ دعا پیش نظر رکھنی چاہئے۔ آنحضرت ﷺ والی دعا تو

بہت ہی جامع و مانع دعا ہے اس کے علاوہ یہ دعا بھی خاص حالات پر اطلاق پاتی ہے اور جو مہاجرین یہ دعا نہیں بھی کر سکے ان کو اب یہ دعا اپنی دعاؤں میں شامل کر لینی چاہئے تا کہ ان کی منزل مبارک ہو اور خدا ہی ہے جو ان کی دیکھ بھال کرنے والا ہو اور ان کی مہمانی کرنے والا ہو۔ اس دعا کے بغیر کسی قوم کو حقیقی میز بانی کا حق عطا نہیں ہو سکتا اور دنیا والے جو میز بانی یا مہمانی کرتے ہیں وہ ایک عارضی سی حیثیت رکھتی ہے اس میں برکت نہیں ہوتی۔ پس مختلف علاقوں میں جانے والے احمدی مہاجرین کو ان ہی مسائل کا سامنا ہے۔ بعض قومیں بعض دوسری قوموں کے مقابلے پر زیادہ فراخ دل ہیں لیکن ہر جگہ اس معاملے میں کئی قسم کی الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں اور ویسے بھی بہت سے غیور احمدی ایسے ہیں جن کے دلوں پر بوجھ ہے کہ ہم جو غیر قوموں کی مدد پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب تک ہمیں کام کی اجازت نہ ملے گویا ان کی خیرات پر پل رہے ہیں ان کے لئے یہ دعا بہت ہی اہمیت رکھتی ہے۔ اگر یہ دعا کر کے چلتے تو ان کے دل میں ہمیشہ یہ یقین رہتا کہ میری آؤ بھگت کرنے والا دراصل خدا ہی ہے اور میری دعا کی قبولیت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے یہ سامان فرمائے ہیں اور اس طرح وہ کسی قسم کی نفسیاتی الجھن کا شکار نہ ہوتے اور پھر اس مدد کے باوجود بھی جو مشکلات ہیں اور معاملات ہیں بعض دفعہ کئی قسم کی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں اور روزمرہ کی زندگی میں بے برکتی بھی ہوتی ہے۔ ان سب کا علاج یہ دعا ہے کہ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا اے میرے رب مجھے ایسی جگہ اتار اور اس طرح مجھ سے سلوک فرما کہ میں برکتوں والی جگہ پر اترنے والا ہوں۔ ایسی برکتیں پانے والا ہوں جو تیرے حضور سے عطا ہوتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو جو دعائیں سکھائی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی دعا ہے قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ﴿۹۴﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (المومنون: ۹۴، ۹۵) کہ تو کہہ دے اے میرے رب! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تو مجھے اپنی زندگی میں ہی دکھا دے جو تو میرے مخالفوں سے وعدے کرتا ہے یعنی ان سے جو وعید کرتا ہے، ان کو جو انذار فرماتا ہے۔ کیا ہو نہیں سکتا؟ کیا ممکن نہیں۔ التجا کا ایک رنگ ہے۔ کہ میں بھی اپنی آنکھوں سے وہ دیکھ لوں۔ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اور میرے رب! مجھے ظالموں میں شمار نہ فرمانا۔ اس کے معاً بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ہے وَاِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ (المومنون: ۹۶) کہ یقیناً ہم اس بات پر قادر ہیں کہ جو کچھ ہم ان سے وعید کرتے ہیں تجھے بھی اس میں سے کچھ دکھا دیں۔

اس موقعہ پر ایک سوال اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی قبول کرنی ہیں۔ پھر خود ہی دعائیں کیوں سکھاتا ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ اور یہ جو طرز مسلسل چل رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو ایک طرف دعا سکھاتا ہے اور دوسری طرف اس کی قبولیت کا اعلان فرما دیتا ہے۔ اس مسئلے کو سمجھنے کے لئے دراصل اپنے بچوں سے اپنے تعلقات پر نظر ڈالنی چاہئے۔ وہ پیارے پیارے بچے جن کو ابھی پوری طرح خود شعور نہیں ہوتا، بہت سی باتیں کرنے کا سلیقہ نہیں ہوتا۔ والدین جو پہلے سے ہی کچھ دینے پر تیار بیٹھے ہوتے ہیں۔ انہیں پہلے مانگنے کے طریقے بتاتے ہیں اور کئی طرح سے پیار کے رنگ میں ان کو کہتے ہیں کہ تم ہم سے یہ مانگو، اس طرح مانگو اور پھر جیب پہلے ہی بھری ہوتی ہے۔ ہاتھ مچل رہے ہوتے ہیں کہ ادھر سے وہ مانگے اور ادھر ہم اس کو عطا کر دیں تو یہ پیار کے خاص انداز ہیں۔ پس انبیاء کو جو دعائیں سکھائی جاتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے محبت کے اظہار کے رنگ ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کرتے کلیۃً خدا ہی کے ہاتھوں میں پلتے ہیں۔ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

ابتداء سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے

گود میں تیری رہا میں مثل طفل شیر خوار

(درثمین صفحہ:۱۲۶)

پس ایک طفل شیر خوار کی طرح انبیاء کی کیفیت ہوتی ہے۔ ماں باپ کی گود میں اور ہاتھوں میں کھیلتے اور انہیں سے باتیں سیکھتے ہیں اور وہی باتیں ان کو سکھائی جاتی ہیں جو سکھانے والے کو مقبول نظر ہوں، اس کو پیاری لگتی ہوں پس اس رنگ میں ہماری تربیت کے بھی سامان ہو گئے جن سے براہ راست خدا کا تکلم نہیں ہوتا اور بعد میں آنیوالی نسلوں پر اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وہ باتیں جن کے ہم حقدار نہیں کہ خدا ہمیں براہ راست سکھائے، اپنے پیارے انبیاء کو سکھا کر، ان کا ذکر محفوظ کر کے ہمیں بھی وہ طریقے بتا دیئے۔ پس آنحضور ﷺ کو آپ کے دشمنوں کا جو انجام دکھانا تھا وہ تو مقدر تھا اس کے فیصلے ہو چکے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس رنگ میں یہ دعا سکھائی کہ گویا آپ کی طلب پر عطا ہو رہا ہے اور طلب پر عطا ہونے میں اپنی ایک لذت ہے اور پھر معاً بعد بلا توقف یہ اطلاع فرما دی کہ وَاِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ کیوں نہیں میرے بندے ہم ضرور اس

بات پر قادر ہیں کہ جو کچھ ہم ان کو ڈرا رہے ہیں تجھے بھی وہ دکھا دیں۔ پس حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں جو دشمن پر کامل غلبہ عطا ہوا اور طرح طرح کے معاند آنحضور ﷺ کے غلاموں کے ہاتھوں عبرتناک شکست کھا کر اس دنیا سے اپنے انجام کو سدھارے۔ یہ ساری باتیں اسی دعا کے نتیجے میں تھیں اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے مقدر تو تھا مگر دعا کے تعلق کے ساتھ تقدیر کو باندھ دیا گیا۔ اس سے ہمیں یہ حکمت بھی سمجھ آتی ہے کہ تقدیر اعلیٰ کا دعاؤں سے گہرا رابطہ ہے۔ اور تقدیر کے بنانے میں دعا کام کرتی ہے۔ پس ایک پہلو جب تک تشنہ تکمیل ہو اس وقت تک تقدیر جاری نہیں ہوتی۔ پس اس خوش فہمی میں بیٹھے رہنا کہ فتح بہر حال ہمارے مقدر میں ہے اس لئے ہمیں کچھ کرنے یا کہنے کی ضرورت نہیں یہ غلط ہے۔ یہ مضمون بھی اس طرز کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقدیر اپنی جگہ درست لیکن تقدیر کی طلب اپنی جگہ ضروری ہے جیسا کہ گرمی ہوتی ہے تو مون سون پہنچ جاتی ہے۔ مون سون کا اٹھنا اپنی جگہ اپنے قانون کے مطابق ہے لیکن اس کو طلب کرنے کے لئے کسی خاص علاقے کی خاص گرمی کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ گرمی اگر پوری طرح میسر نہ آئے تو مون سون تو اپنی جگہ اٹھتی ہی ہے لیکن اس علاقے پر بعض دفعہ نہیں برستی۔ پس اس لحاظ سے یعنی یہ مضمون تو بعینہ صادق نہیں آتا مگر یہ ایک ملتی جلتی مثال ہے ہمیں اپنی فتح کی دعاؤں سے بھی غافل نہیں رہنا چاہئے۔ اور یہ سمجھ کر چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ سے وعدے فرمائے ہیں کہ آخرین کے دور میں اسلام کو تمام دیگر ادیان پر غلبہ فرماؤں گا اس لئے ہمیں کیا ضرورت ہے اس کے لئے گریہ وزاری کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظر اس مضمون پر سب سے زیادہ گہری تھی، اس کے باوجود آپ نے اس قدر بے قراری سے غلبہ اسلام کی دعائیں کی ہیں کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ دعائیں کرتے کرتے آپ کی جان نکل جائے گی۔ چنانچہ آپ کا بہت ہی دردناک اظہار ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ سنت قائم کر کے ہمیں بتا دیا کہ انبیاء اور صلحاء اور اخیار کا یہی مقام ہے اور یہی ان کو زیب دیتا ہے کہ خدا کے وعدوں کے باوجود اس کی طلب میں اپنی جان کھونے کی کوشش کریں اور بہت ہی گریہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے فضل مانگتے رہیں۔ پھر یہاں جو فرمایا گیا کہ رَبِّ فَلَا تَجۡعَلۡنِیۡ فِی الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ (المومنون: ۹۵) یہاں الظّٰلِمِیۡنَ کا کیا معنی ہے اور فِی الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ سے کیا مراد ہو سکتی ہے یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ دعا کر رہے

ہوں کہ جن ظالموں کو تو نے ہلاک کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جن کے متعلق میں عرض کر رہا ہوں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے دکھا دے کہ تیرے وعدے پورے ہوئے ہمیں ان میں نہ شامل فرمادے۔ یہ تو ایک بالکل بے تکی اور بے جوڑ بات بن جائے گی۔ پس ظالمین کے استعمال کے متعلق قرآن کریم پر نظر ڈالنی چاہئے کہ کن کن معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایک دعا اس سے پہلے گزری ہے جس میں حضرت یونسؑ نے یہ عرض کی تھی کہ اے خدا! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اگر تو مجھ پر رحم نہ فرمائے گا اور میری بخشش نہ فرمائے گا تو میں ظالمین میں سے ہو جاؤں گا۔ وہاں ظالمین کے معنی یہ ہیں کہ تیری بخشش اور اعتراض کرنے والا، تیری بخشش پر تلخی محسوس کرنے والا، تو نے گنہگاروں سے جو حسن سلوک فرمایا اور نرمی فرمائی اور عفو سے کام لیا اس پر میرے دل میں ایک ہلکا سا میل آ گیا۔ یہ ظلم ہے تو اس دعا کے تعلق میں جب آنحضورﷺ فرماتے ہیں کہ اے میرے رب ہمیں ظالموں میں نہ داخل فرما دینا تو اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں بن سکتا کہ ہمیں ان لوگوں میں نہ داخل فرما دینا جن کے بدانجام دیکھنے کی ہم تمنا کر رہے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ اگر تیری تقدیر یہ ہو کہ ہم آنکھوں سے نہ دیکھیں اگر تیرا یہی فیصلہ ہو کہ ہماری زندگیاں ختم ہو جائیں اور یہ قوم اسی طرح دندناتی پھرتی رہے اور ظلم کرتی رہے اور ان کا بدانجام اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں تو ہمارے دلوں پر سکینت نازل فرمانا ہمارے دلوں پر صبر نازل فرمانا اور ہم تیری رضا پر راضی رہنے والے ہوں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے اس سے پہلے جب تو نے اس کے دشمنوں سے بخشش کا سلوک فرمایا تو دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس کی۔

پھر سورۃ المومنوں ہی میں آیات ۹۸ اور ۹۹ میں آنحضورﷺ کو ایک دعا سکھائی گئی۔ وہ یہ ہے: وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۸﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ (المومنون: ۹۸، ۹۹) کہ اے میرے بندے! تو مجھ سے یہ کر مجھ سے یہ دعا کر کہ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ اے میرے رب! میں تیرے سرکش بندوں کے وساوس اور ان کے فتنوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ اور میں تجھ سے اس بات کی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ مجھ تک پہنچ سکیں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے: اور تو کہہ دے اے میرے رب! میں سرکش لوگوں کی شرارتوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

هَمَزٰتِ کا اول ترجمہ وساوس ہیں اور کئی قسم کے برے خیالات ہیں: اور دراصل شیاطین کی شرارتوں سے ان کا گہرا تعلق ہے اسی لئے حضرت مصلح موعودؓ نے اس موقعہ پر اس کا ترجمہ شرارتیں کر دیا۔ ایسے دور جن میں مخالفین کو خاص طور پر غلبہ نصیب ہو اور وہ مومنوں سے جس طرح چاہیں سلوک کریں، اسی دور میں ان شرارتوں کے نتیجے میں وساوس پیدا کئے جاتے ہیں اور اپنے موقف سے مومنین کو ہٹانے کے لئے طرح طرح کے وسوسے پھیلائے جاتے ہیں کہ دیکھو اگر تمہارا خدا ہوتا، اگر تم سچے ہوتے جس پر تم ایمان لائے ہو اگر وہ واقعی خدا نے بھیجا ہوتا تو آج تم کیوں بے سہارا چھوڑے جاتے، کیوں تم آج ہمارے رحم و کرم پر ڈالے گئے۔ پس شرارتوں کے ساتھ وساوس کا گہرا تعلق ہے اور ہم نے گزشتہ ابتلاء کے دور میں پاکستان میں (جو ابھی بھی جاری ہے) خاص طور پر یہ دیکھا ہے کہ پہلے احمدیوں کو ظلموں کا نشانہ بنایا جاتا ہے، طرح طرح کی شرارتیں کی جاتی ہیں اور پھر خود ظلم کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ دیکھو ہم تو تم پر ظلم کر رہے ہیں اور ہمارا کچھ نہیں ہو رہا اس لئے ہم سچے ہیں تم جھوٹے ہو اور بعض نادان اور جاہل کچھ ظلموں سے تنگ آکر کچھ اپنی کم فہمی کی وجہ سے اس دلیل کو مان جاتے ہیں حالانکہ شیطان اور ظلم کرنے والا سچا ہو ہی نہیں سکتا۔ جو شخص ظلم سے کام لے رہا ہے اس ظلم کے نتیجے میں اس کی سچائی کیسے ثابت ہوگئی۔ ظالم تو بہر حال جھوٹا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اس کا ذکر شیاطین کے طور پر فرمایا ہے کہ یہ عجیب باغی اور شیطان لوگ ہیں۔ ایک طرف مومنوں کو دکھ دیتے ہیں اور پھر انہی دکھوں کو ان کے ایمان کو متزلزل کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں تو اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ دعا کر کہ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ میں شیاطین کے ہر قسم کے شر اور ان شرور کے نتیجے میں پیدا ہونے والے وساوس سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ بلکہ میں تو یہ پناہ مانگتا ہوں کہ ہم تک ان کی رسائی ہی نہ ہو۔ نہ وہ ہم تک پہنچ سکیں نہ ان کے وساوس اور ان کے شر ہمیں چھوئیں۔

ایک دعا سورۃ المومنون آیت ۱۱۰ میں درج ہے۔ یہ خدا کے ان نیک بندوں کی دعا ہے جو دوزخیوں کے مقابل پر جب وہ ان سے تمسخر کیا کرتے تھے تو وہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ (المومنون: ۱۱۰) میرے بندوں میں سے ایک گروہ ایسا تھا کہ جب ان پر ظلم ہوئے ان سے تمسخر کا سلوک ہوا تو وہ یہ کہا کرتے تھے۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا اے ہمارے رب! ہم تو ایمان لے آئے ہیں اس لئے ہم سے بخشش کا سلوک فرما وَارۡحَمۡنَا اور ہم پر رحم فرما۔ وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ (المومنون:۱۱۰) اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔اس کے معاً بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَاتَّخَذۡتُمُوۡهُمۡ سِخۡرِيًّا (المومنون:۱۱۱) وہ یہ دعائیں کرتے تھے۔ یہ التجائیں کرتے تھے اور اس کے باوجود تم انہیں مذاق کا نشانہ بنالیتے تھے حَتّٰۤى اَنۡسَوۡكُمۡ ذِكۡرِىۡ (المومنون:۱۱۱) یہاں تک کہ تم میرے ذکر کو بھلا بیٹھے وَكُنۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ تَضۡحَكُوۡنَ اور تم ان سے مسلسل مذاق کرتے رہے۔ اِنِّىۡ جَزَيۡتُهُمُ الۡيَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡۤا ۙ اَنَّهُمۡ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ (المومنون:۱۱۲) کہ آج کے دن جو جزاء سزا کا دن ہے میں اپنے ان مومن بندوں کو جو تمہارے ظلموں کے مقابل پر صبر کیا کرتے تھے جزاء کی خوشخبری دیتا ہوں اور یہ بتاتا ہوں کہ اَنَّهُمۡ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ کہ یہی وہ لوگ ہیں جو نجات یافتہ ہیں اور نیک انجام کو پہنچنے والے ہیں۔

پھر سورۃ المومنون کی ۱۱۹ ویں آیت میں ایک اور دعا آنحضور ﷺ کو سکھائی گئی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :وَقُلْ رَّبِّ اغۡفِرۡ وَارۡحَمۡ وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ (المومنون:۱۱۹) کہ اے میرے رب! تو مجھ سے مغفرت کا سلوک فرما، وَارۡحَمۡ اور رحم کا سلوک فرما۔ وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ تجھ سے بڑھ کر اور کوئی رحم کرنے والا نہیں۔سورۃ الفرقان آیات ۶۶۔۶۷ میں اللہ تعالیٰ عِبَادُ الرَّحۡمٰنِ کی دعا بیان فرماتا ہے عِبَادُ الرَّحۡمٰنِ کا تذکرہ چل رہا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ وہ بندے ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی سے چلتے ہیں۔ جب جاہل ان کو مخاطب ہوتے ہیں اور ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں تو وہ جواباً یہ کہتے ہیں وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الۡجٰهِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا (الفرقان:۶۴) اور پھر اپنے رب کے حضور راتیں سجدوں اور قیام میں گزار دیتے ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا کہ وہ کیا دعائیں کرتے ہیں۔ وَالَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اصۡرِفۡ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۶﴾ اِنَّهَا سَآءَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۷﴾ (الفرقان:۶۶،۶۷) وہ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے جہنم کا عذاب ٹال دے اس وجہ سے وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک طرف دشمن کا عذاب ہے اور اس کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ فرعون کے وقت میں جن ساحروں کو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی۔ انہوں نے بھی یہی ذکر کیا تھا کہ ہم تو خدا سے زیادہ

ڈرتے ہیں کسی سے نہیں ڈرتے تو ہم پر جو چاہے عذاب نازل کر ہم نے تو صداقت کو دیکھ لیا اور پہچان لیا اس لئے اب ہم اس صداقت سے پھرنے والے نہیں ہیں۔ پس دنیا کے عذاب اور دنیا کی طعن و تشنیع اور دنیا کے تمسخر کے نتیجے میں ایک طرف انسانوں کا خوف پیدا ہوتا ہے اس خوف سے صرف خدا کا خوف انسان کو بچا سکتا ہے اگر وہ دل پر غالب ہو۔ پس ان دوخوفوں کے درمیان **عبادالرحمن** کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ ان کا ذکر چل رہا ہے، فرمایا ان کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ راتوں کو اٹھتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔ خدا کے حضور کھڑے ہوجاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اے اللہ ہمیں عذاب جہنم کا زیادہ خوف ہے اس لئے اس عذاب کو ہم سے ٹال سے۔ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ کیونکہ جہنم کا عذاب جو ہے وہ تو بہت بڑی تباہی ہے دنیا کے عذاب تو اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا کہ وہ عارضی طور پر بھی بہت برا ہے اور مستقل ٹھکانے کے طور پر تو بدتر ہے۔ عارضی طور پر کہہ کر دراصل دنیا کے عذاب کی طرف اشارہ فرمادیا اور بتایا کہ جس عذاب سے تم بھاگتے ہو وہ تو عارضی ہے اور جس عذاب کی طرف تم اس کے نتیجے میں جاسکتے ہو وہ ایک مستقل عذاب ہے لیکن عارضی حیثیت سے بھی دنیا کے عذاب کے مقابل پر آخرت کا عذاب بہت زیادہ سخت ہوگا یعنی اگر محض عارضی بھی ہو تب بھی دنیا کیعارضی عذاب کو وہ آخرت کے عذاب پر ترجیح دے دیتے ہیں یعنی (آخرت) کے اس عذاب کو قبول نہیں کرتے اور دنیا کے عذاب کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوجاتے ہیں۔ پس اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا اس کے یہ معنی ہیں کہ اے خدا! ہمیں تو تیرے عذاب سے اتنا ڈر لگتا ہے کہ ہم تجھ سے ہی پناہ مانگتے ہیں وہ عذاب جو تیری طرف سے آئے اگر تھوڑا بھی ہو تو وہ بہت زیادہ تباہ کن ہوتا ہے اور ناقابل برداشت ہوتا ہے۔

پھر یہی عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اپنی اولاد کے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان: ۷۵) کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی جناب سے اپنے ازواج کی طرف سے وَذُرِّيّٰتِنَا اور اپنی اولادوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اور ہمیں متقیوں کا امام بنانا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض لوگ

ازواج سے مراد صرف بیویوں کو لیتے ہیں اور تفسیر صغیر میں بھی یہی ترجمہ ہے کہ ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ یہ ترجمہ کرنے کی وجہ غالباً یہ بنی کہ شروع میں یوں معلوم ہوتا ہے جیسے مردوں سے متعلق بات ہو رہی ہے۔ عباد الرحمٰن خدا کے بندے اور وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ میں بھی مردوں کا ذکر ہے کہ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں لیکن درحقیقت خدا تعالیٰ نے جہاں مردوں کے صیغے میں بات کی ہے وہاں مومن عورتیں شامل ہیں اور ان کو اس خطاب سے نکالنے کا ہمیں کوئی حق نہیں کیونکہ یہ نہ صرف عربی طرز کلام ہے بلکہ دنیا کی دوسری قوموں میں بھی جب ہم بنی نوع انسان کا ذکر کرتے ہیں تو بسا اوقات مردوں کے صیغے میں بات ہو رہی ہوتی ہے اور مردوں میں عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ بڑے اور چھوٹے سب اس میں شامل ہوتے ہیں تو طرز کلام یہ ہے جو آسان ہے کہ ایک ہی صیغے کا ذکر ہو جائے اور اس میں جنس کی ہر قسم کے ہر نوع کے افراد اس جنس میں شامل ہو جائیں۔

پس وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا میں مردوں ہی کو صرف دعا نہیں سکھائی گئی، عورتوں کو بھی دعا سکھائی گئی ہے اور ان کو اسی طرح دعا کرنی چاہئے کہ هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا کیونکہ زوج کا مطلب بیوی نہیں ہے۔ زوج کا لفظ میاں اور بیوی دونوں پر برابر اطلاق پاتا ہے اس لئے عورتوں کو اس دعا کو تبدیل کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں وہ اس مضمون میں شامل ہیں اور دعا کے اندر ایسے بھی زوج کے تحت ان کے خاوند شامل ہو جاتے ہیں۔ پس اب اس دعا کا معنی یہ ہوگا کہ اے خدا! ہمیں زندگیوں کے ساتھیوں سے خواہ وہ مرد ہوں خواہ عورتیں ہوں، آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اور ہمیں متقیوں کا امام بنانا۔ ایسی نسل پیچھے چھوڑنے کی ہمیں توفیق عطا فرما جو تیری نظر میں متقی ہوں۔

یہ دعا ہے جس کے نتیجے میں ہمارے گھروں کے ماحول سدھر سکتے ہیں۔ جو خطوط مجھے ملتے ہیں، بلا استثناء ان میں روزانہ کچھ خطوط ضرور ایسے ہوتے ہیں جن میں گھریلو زندگی کی ناچاقیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے عذاب کا ذکر ہوتا ہے اور ایسے خطوط بعض دفعہ بچوں کی طرف سے بھی ملتے ہیں۔ بچے لکھتے ہیں ہمارے ماں باپ کی آپس میں ناچاقیاں ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کے

خلاف گندی زبان استعمال کرتے ہیں۔ گھر جہنم بنا ہوا ہے اور ہم جو بہن بھائی ہیں یوں لگتا ہے کہ بے سہارا ہیں اور ہمارے سر پر کوئی چھت نہیں ہے۔ اس صورتحال سے ہم بہت ہی تنگ ہیں اور مشکل یہ ہے کہ ہم کسی کی طرفداری کر نہیں سکتے۔ اگر کسی کو سچا سمجھیں بھی تب بھی ہم کسی ایک کی طرف داری نہیں کر سکتے۔ پھر بیویوں کے خط آتے ہیں۔ خاوندوں کے خط آتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض خط بہت ہی پیارے ملتے ہیں جس میں ایک بہو اپنی ساس کی، اپنے خسر، اپنے خاوند کی، اپنے سارے ماحول کی تعریف کر رہی ہوتی ہے۔ ان کے لئے دعاؤں کے لئے لکھ رہی ہوتی ہے۔ کہتی ہے میں تو ایک جنت نشان گھر میں آ گئی ہوں۔ اس طرح یہ لوگ میرا خیال کرتے ہیں، اس طرح مجھے پیار دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جن کو اعلیٰ خلق عطا ہوں امر واقعہ یہ ہے کہ ان کے گھر جنت نشان ہی بنتے ہیں۔ اخلاق کی کمی کے نتیجے میں یہ دنیا ہمارے لئے جہنم بن سکتی ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ اگر اخلاق گھروں کو جہنم بنا سکتے ہیں تو یہی اخلاق قوموں کو بھی جہنم میں دھکیل دیتے ہیں یہی اخلاق بنی نوع انسان کے لئے جہنم پیدا کر دیتے ہیں۔ پس اخلاق کی بہت بڑی اہمیت ہے اور اعلیٰ خلق کے نتیجے میں صرف ہمارے گھر ہی جنت نشان نہیں بن سکتے بلکہ ہماری گلیاں، ہمارے شہر، ہمارے وطن اور اس کے بعد پھر ساری دنیا کے لئے تمام سطح ارض جنت بن سکتی ہے لیکن اس کے لئے دعاؤں کی ضرورت ہے۔ میں نے پہلے بھی بارہا احباب جماعت کو توجہ دلائی ہے کہ اس دعا سے غیر معمولی استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ پھر آگے اولاد پر بھی ممتد ہو جاتی ہے اور اولاد پر بھی اس کا فیض جاری ہوتا ہے کیونکہ اس دعا میں یہ سکھایا گیا ہے مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا اور ذریت میں صرف پہلی نسل مراد نہیں ہے بلکہ بعد میں آنے والی نسلوں کا سلسلہ اس کے اندر آ جاتا ہے۔ قیامت تک کے لئے انسان اپنی اولاد کے لئے جو دعائیں کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اس سے بہتر دعا نہیں ہو سکتی کہ اے خدا! ہماری اولاد کو، اولاد در اولاد کو، سلسلہ اولاد کو ہماری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک بنانا اور وہ ٹھنڈک ان معنوں میں ہو کہ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا کہ ہمیں متقیوں کا امام بنانا۔ غیر متقی کا امام نہ بنانا، یہ بہت ہی کامل ہے دعا اور قیامت تک اثر پیدا کرنے والی ہے اور پھر یہ بھی ہمیں توجہ دلائی ہے کہ اگر تم نے اپنے لئے اس دنیا میں جنت پیدا کر لی اور تمہاری اولاد کو یہ توفیق نہ ملے کہ وہ متقی ہو تو تم نے جو کچھ حاصل کیا تھا عملاً اس کو کھو بیٹھو گے تمہارا سارا سرمایہ ضائع ہو جائے گا۔ تمہاری ساری

محنتوں کا پھل جاتا رہے گا اس لئے صرف اپنے لئے فکر نہ کیا کرو، اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کی بھی فکر کیا کرو۔

اس مضمون پر غور کر کے اگر آپ یہ دعا کریں تو آپ کے گھر کے ماحول کا ایک بہت ہی دلکش نقشہ آنکھوں کے سامنے اُبھرتا ہے۔ بعض میاں بیوی ایک دوسرے سے راضی ہوتے ہیں مگر اُن کے آپس میں راضی ہونے کی بناء تقویٰ نہیں ہوتی۔ ایسے میاں بیوی بھی تو ایک دوسرے سے راضی ہوتے ہیں جن کے گھر میں Disco چل رہا ہے۔ گانے بجانے ہو رہے ہیں کئی قسم کی بیہودگیاں ہو رہی ہیں۔ بظاہر وہ گھر جنت ہے لیکن اس دعا کے آخری حصے نے بتا دیا کہ وہ جنت محض ایک فرضی اور خیالی جنت ہے اور عارضی حیثیت کی ہے کیونکہ ایسے لوگوں کی اولادیں پھر متقی نہیں بن سکتیں ایسے لوگوں کی آنے والی نسلیں ان کے لئے حقیقی معنوں میں آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان مہیا نہیں کر سکتیں۔ تو وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا نے صرف مستقبل کی بات نہیں کی بلکہ اس زمانے میں جو ہمیں نصیب ہوا ہے ہمارے گھروں کا ایسا نقشہ بھی کھینچ دیا جسمیں تقویٰ کی باتیں ہوں اگر تقویٰ کی باتیں نہ ہوں تو اگلی نسل کو تقویٰ کہاں سے نصیب ہو جائے گا۔ پس آنکھوں کی ٹھنڈک ہو جس کا تقویٰ سے گہرا تعلق ہو اس کے لئے دعا سکھائی گئی ہے اور اس دعا سے غفلت کے نتیجے میں میں سمجھتا ہوں بہت سے گھر بے وجہ مصیبتوں اور آزمائشوں میں مبتلا ہیں۔ سنجیدگی سے ہر وہ خاوند اور ہر وہ بیوی جو اپنے لئے یہ دعا کرتی ہے ان کو میں یقین دلاتا ہوں کہ اس دعا کے نتیجے میں ان کے گھر کے نقشے بدل جائیں گے اور ساری جماعت کا معاشرہ اتنا پاکیزہ ہو جائے گا اور اتنا بلند ہو جائے گا کہ واقعی اس بات کا مستحق ہوگا کہ بنی نوع انسان کی راہنمائی کر سکے اور ہم ساری دنیا کو جنت دینے والے بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ احباب جماعت کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سورۃ الشعراء آیات ۸۴ تا ۹۰ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ وہ دعا یہ ہے کہ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ اور مجھے صالحین میں شامل فرمادے۔ یہاں حکم کا معنی حکومت نہیں۔ حکومت بھی ہو سکتا ہے، مگر صحیح تعلیم مراد ہے۔ فیصلہ کن صحیح تعلیم۔ ایسی صحیح تعلیم جو بین ہو، جو روشن ہو، جس میں بدتعلیم سے نمایاں فرق شامل ہو۔ ہر ایسی تعلیم کو ہم حکم کہہ سکتے ہیں۔ پس اپنے رب سے یہ عرض کرتے ہیں۔ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا اے خدا!

مجھے کھلی کھلی روشن، امتیازی ہدایت عطا فرما۔ وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ اور مجھے صالحین میں شمار فرمالے صالحین کے ساتھ میرا تعلق قائم فرمادے۔ وَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ اور بعد میں آنے والوں کی زبان پر میرا ذکر سچائی کے ساتھ چلے۔

یہ دعا بہت ہی معنی خیز ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے جتنی گہری اور جتنی بلند صفات سے نوازا تھا اور جس طرح آپ کے ذہن میں باریک در باریک مضامین نازل فرمائے جاتے تھے ان کا اظہار آپ کی دعاؤں سے ہوتا ہے۔ اپنی دعاؤں کے آئینے میں ہمیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دل دکھائی دینے لگتا ہے، آپ کی طرز فکر دکھائی دینے لگتی ہے۔ عام طور پر لوگ آئندہ زمانوں میں اپنی شہرت چاہتے ہیں اور امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا کے جتنے ہیرو Hero ہیں وقت گزرنے کے ساتھ ان کا ذکر چلتا ہے اور بلند ہوتا رہتا ہے اور اس میں کئی قسم کے فرضی قصے بھی داخل ہونے لگ جاتے ہیں۔ پس جس کو ہم Legendary Figures کہتے ہیں وہ انسان جو اپنے اپنے وقتوں میں ہیرو شمار ہوئے بہت بلند مقام تک پہنچے وہ بالآخر Legend بن جاتے ہیں اور ان کے متعلق قصے کہانیاں، افسانے مشہور ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ ان کے حقیقی وجود سے بہت بڑھ کر ان کی طرف اعلیٰ صلاحیتیں منسوب ہونے لگتی ہیں اسی کے نتیجے میں بہت سے انبیاء کو خدا یا خدا کا بیٹا یا اس کا قریبی بتا دیا گیا اور یہ وہ طبعی رجحان ہے جس نے سلسلہ ہائے مذاہب کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔

دیکھیں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آپ کی قوم نے کیا سلوک کیا ہے۔ اسی طرح حضرت کرشنؑ کے ساتھ حضرت رامچندر جی کے ساتھ اور بہت سے بزرگ انبیاء ایسے گزرے ہیں جن کو وقت کے گزرنے کے ساتھ بہت بڑے بڑے مقامات اور مرتبے عطا کئے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بلند مرتبہ نہیں مانگ رہے۔ آنے والی نسلوں سے یہ توقع نہیں رکھتے کہ وہ آپ کی حمد و ثناء میں مصروف رہیں اور آپ کی تعریف میں بڑے بڑے قصیدے کہیں۔ کیسی عمدہ دعا ہے: وَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ اے میرے رب میرے متعلق تو آئندہ جو بات بھی ہو سچی ہو۔ اس میں جھوٹ کی ادنیٰ سی ملونی بھی نہ ہو۔ اب آپ دیکھیں کہ کس شان کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے حق میں خدا تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا ہے۔ کتنا بلند مرتبہ آپ کو عطا کیا گیا۔ ابوالانبیاء کہلائے اور آج

کی دنیا کے مذاہب کے سلسلوں میں سے تین سب سے قوی سلسلے آپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ یہود بھی آپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں، عیسائی بھی آپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور مسلمان بھی آپ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ یہ وہ تین قومیں ہیں جو درحقیقت اپنی طاقت کے لحاظ سے تمام دنیا پر غالب آنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات کے بارے میں کبھی کوئی مبالغہ نہیں کیا گیا۔ ہزاروں سال گزر گئے ہیں۔ کسی نے آپ کے متعلق فرضی قصے نہیں بنائے۔ کوئی ایک بھی فرضی خیالی قصہ آپ کی طرف منسوب نہیں ہوا۔ اس سے آپ اندازہ کریں کہ سچی دعاؤں میں جو دل کی گہرائیوں سے اٹھتی ہیں کتنی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ دل سے سچ کی یہ پکار تھی کہ اے خدا ہمیشہ میری تعریف سچی رہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو سچا کر دکھایا۔

اسی دعا کے مطالعہ سے مجھے درود شریف میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی حکمت سمجھ آئی اور بھی بہت سے انبیاء گزرے ہیں ان کا بھی ذکر خیر درود میں چل سکتا تھا لیکن صرف حضرت ابراہیمؑ کو یہ اعزاز دیا گیا کہ آنحضرت ﷺ اپنی امت کو یہ درود سکھائیں: **اللھم صلی علی محمد وعلیٰ اٰل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انک حمید مجید. اللھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انک حمید** ”مجید۔ اس درود سے یہ بھی سمجھ آ گئی کہ لسان صدق کا اس درود کے ساتھ بھی گہرا تعلق ہے۔ اس دعا کو اس درود کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کو کما کی دعا سکھا کر حضرت ابرہیمؑ کی دعاؤں کے ساتھ اپنی امت کو باندھ دیا اور گویا اپنے متعلق بھی یہ دعا کر دی کہ اے خدا جس طرح ابراہیمؑ پر تو نے سلامتی بھیجی اور اس زمانے میں بھی آپ کو سلامتی عطا ہوئی اور آئندہ آنے والی نسلوں میں، آئندہ آنیوالے زمانوں میں بھی ہمیشہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مس شیطان سے پاک رکھا اور لغو اور جھوٹے قصوں سے آپ کو بچایا۔ اے خدا اسی طرح میری بھی حفاظت فرما اور میری امت کی بھی حفاظت فرما۔ بہر حال ایک مضمون نہیں یہ تو بہت ہی وسیع مضامین ہیں کما کے تعلق میں یہ باتیں پھر انشاء اللہ کبھی توفیق ملی تو میں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ بہت سے احمدی یہ سوال کرتے رہتے ہیں کہ کما جو کہہ دیا گیا تو اس میں کیا برابری مقصود ہے؟

لیکن برابری مقصود نہیں ، کچھ اور مضامین بھی ہیں۔ایک تعلق بہر حال درود شریف کا اس آیت میں مذکور دعا سے ہے۔وَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ (الشعراء:۸۵) کہ اے خدا! آخرین میں میرا ذکر خیر ، سچائی کا ذکر جاری ہے اور چونکہ آخرین کا زمانہ آنحضرت ﷺ کو عطا ہونا تھا کیونکہ قیامت تک کے لئے آخرین کا دور آپؐ کا دور تھا اس لئے اگر آپؐ کی امت میں آپؐ کا ذکر خیر سچائی کے ساتھ جاری نہ رہتا تو یہ دعا قبولیت کا سب سے بڑا ثبوت وہ وہ درود ہے جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سکھایا وَاجۡعَلۡنِیۡ مِنۡ وَّرَثَۃِ جَنَّۃِ النَّعِیۡمِ (الشعرہ:۸۶) اور اے اللہ! مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنا۔ جنت تو خود ہی نعمت ہے۔ پھر یہ کیا مطلب کہ مِنۡ وَّرَثَۃِ جَنَّۃِ النَّعِیۡمِ تو حقیقت یہ ہے کہ جنت کے بھی مختلف درجے ہیں ۔ایک جنت نعیم ہے۔ جَنَّۃِ النَّعِیۡمِ کے معنی میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ وہ جنت ہے جس میں انبیاء شامل ہوتے ہیں کیونکہ ویسے تو سب نعمتوں والے خواہ وہ صالح ہوں ۔خواہ شہید ہوں، خواہ صدیق ہوں یا نبی ہوں جنت میں جائیں گے اور ان معنوں میں ہر جنت جَنَّۃِ النَّعِیۡمِ کہلاسکتی ہے مگر النَّعِیۡمِ کے اندر ایک اور معنی پیدا کر دیتا ہے یعنی وہ جنت جوان لوگوں کی جنت ہے جن کو کامل نعمت عطا ہوئی اور کامل نعمت انبیاء کو عطا ہوتی ہے پس ہرگز بعید نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان معنوں میں یہ دعا کی ہو کہ مجھے جنت میں بھی انبیاء کے زمرے میں رکھنا اور وہ جنت عطا کرنا جس میں کامل طور پر تجھ سے انعام یافتہ لوگ شامل ہوں۔ پس آپ دیکھیں کہ اس دعا کا سورۃ فاتحہ کی اس دعا سے کتنا گہرا رابطہ ہے کہ

اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ پس منعم علیہ میں شامل ہونا ہے تو منعم علیہ گروہ کی وہ ساری دعائیں پیش نظر رہنی چاہئیں جو ہماری زندگی کے مختلف حالات پر اطلاق پاتی چلی جاتی ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کرتے ہیں ۔ وَاغۡفِرۡ لِاَبِیۡۤ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیۡنَ (الشعرہ:۸۷) کہ اے میرے رب! میرے باپ کو بھی بخش دینا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ گمراہ تھا اس کے باوجود تجھ سے یہ عرض کر رہا ہوں ۔اس کے متعلق یہ ذکر گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے چونکہ ازر سے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ میں تیرے لئے ضرور دعا کروں گا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور خاص یہ اجازت فرمائی کہ وہ اپنے اس وعدے کو پورا

کریں لیکن آخر پر خدا نے ایک وقت پر آپ پر یہ ظاہر فرما دیا کہ وہ صرف گمراہ نہیں تھا بلکہ میرا دشمن تھا اور یہ بتانا ہی کافی تھا۔اس کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے کبھی دعا نہ کی۔وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ (الشعرہ:۸۸)اور جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے گا اس دن مجھے رسوانہ کرنا۔يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (الشعرہ:۸۹)جب کہ انسان کے کام نہ اس کے مال آئیں گے نہ اس کے بچے اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الشعرہ:۹۰)ایک ہی بات کام آئے گی کہ خدا کے حضور کوئی صاف دل لے کر حاضر ہو۔پاک دل لے کر حاضر ہو۔ایسا دل لے کر حاضر ہو جو خدا کے حضور جھکا رہنے والا ہو اور اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر بیٹھا ہو۔اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی حالت میں اس دنیا سے بلائے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا ہمارے حق میں بھی یہ گواہی دے کہ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ہم ان لوگوں میں شمار ہوں جو ایک سلیم دل لے کر اپنے خدا کے حضور واپس لوٹنے والے ہوں۔آمین